AL-MISBAH RESEARCH JOURNAL
Recognized in "Y" Category Journal by HEC
ISSN (Online): 2790-8828. ISSN (Print): 2790-881X.
Volume IV, Issue III
Homepage: https://reinci.com/ojs3308/index.php/almisbah/index
Category Y
Link:https://hjrs.hec.gov.pk/index.php?r=site%2Fresult&id=1089437#journal_result

Article: شاہد نقوی کی غزل گوئی کا تجزیاتی مطالعہ

Authors & Affiliations:
[1] **Muhammad Nazir**
PHD Scholar, Dept of Urdu, University of Karachi.
[2] **Zulfiqar Ali**
MPhil Scholar, Dept of Urdu, University of Karachi.
[3] **Syed Sadaqat Ali**
MPhil Scholar, Dept of Urdu, University of Karachi.

Email Add:

ORCID ID:
Published: 2024-07-20
Article DOI: https://doi.org/10.5281/zenodo.13923218
Citation: Muhammad Nazir, Zulfiqar Ali, and Syed Sadaqat Ali. 2024. " شاہد نقوی کی غزل گوئی کا تجزیاتی مطالعہ: ANALYTICAL STUDY OF SHAHID NAQVI'S GHAZAL POETRY". AL MISBAH RESEARCH JOURNAL 4 (03):50-63. https://reinci.com/ojs3308/index.php/almisbah/article/view/280.
Copyright's info: Copyright (c) 2023 AL MISBAH RESEARCH JOURNAL

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

ASIAN Research Index
INTERNATIONAL Scientific Indexing
EuroPub
Academic Resource Index ResearchBib
BASE
DRJI
OCLC WorldCat
ROOTINDEXING
Google Scholar

Published by Institute of Culture and Ideology, Islamabad.
+92-313-305-2561, +92-300-030-9933
www.almisbah.info
REINCI

AL-MISBAH
RESEARCH JOURNAL

Vol.4, No.3, Sep-2024
Page no: 50-63

شاہد نقوی کی غزل گوئی کا تجزیاتی مطالعہ

ANALYTICAL STUDY OF SHAHID NAQVI'S GHAZAL POETRY

*Muhammad Nazir
**Zulfiqar Ali
***Syed Sadaqat Ali

ABSTRACT

The ghazal, which evolved from the ode, has developed with remarkable distinction and thematic diversity, making it a crown jewel of Urdu poetry. Considered the pride of Urdu poetry, the ghazal has always been popular across different eras. It has continued to evolve from its beginnings with poets like Amir Khusro, Wali Deccani, Mir Taqi Mir, and Mirza Ghalib up to the present day. Among these poets is Shahid Naqvi, who has explored various forms of Urdu poetry, including the ghazal. Shahid Naqvi was a notable poet, known for his elegies, salutations, and ghazals. Following in the tradition of renowned elegy poet Anees, he also started his literary journey with ghazal writing. Remarkably, he gained the same recognition in ghazal writing as he did in elegy. Although he has published several collections of ghazals, "Zameer-e Masloob" stands out, including both ghazals and poems. Naqvi enriched his ghazals while staying true to classical styles. His poetry is rich in cultural and artistic value. This article provides an analysis of Shahid Naqvi's ghazal writing, showing how he transformed life's bitter experiences into poetry. He balances emotional depth with imagination and intellectual foundations. Naqvi addresses both personal and worldly sorrows, guiding his audience from despair to hope, and teaching them to face life's challenges. Understanding Naqvi's contributions to modern ghazal and its evolving themes is crucial for researchers, as it offers insights into Urdu literary trends and the global appeal of the ghazal.

Key words: Elegy, Salutation, Dirge, Ode, Despair, Hope, Personal Grief, Worldly Grief, Ghazal, Ode.

شاہد نقوی کا شمار اردو زبان و ادب کے معروف شعراء میں ہوتا ہیں۔ آپ وہ معتبر اور مستند سخن سنج ہیں کہ اکیسویں صدی کے اردو مرثیہ نگاروں کی صف اول ان کے بغیر مکمل نہیں ہوتی ہیں۔ آپ مرثیہ گوئی میں چوٹی کے مرثیہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ اگرچہ شاہد نقوی کی وجہ مقبولیت رثائی شاعری ہیں لیکن ان کی ذات کی مکمل پہچان نہیں ہے۔ اصناف سخن کی درجہ بندی ہئیت کے اعتبار سے کیا جائے یا موضوعات کے

*PHD Scholar ,Dept of Urdu ,University of Karachi.
**MPhil Scholar ,Dept of Urdu ,University of Karachi.
*** MPhil Scholar ,Dept of Urdu ,University of Karachi.

ISSN-Online: 2790-8828
ISSN-Print: 2790-881X

اعتبار سے وہ تقریباجملہ تمام اصناف سخن پہ مہارت رکھتے ہیں اور آپ نے سبھی اصناف میں طبع آزمائی بھی کی ہیں۔ لیکن ان کی اصل پہچان مرثیہ گوئی ہی ہے۔ اسی وجہ سے انہیں "کلیم ال عباء "کالقب ملا اور اسی نام سے معروف رہا ہے۔ انہوں نے دیگر اصناف سخن میں بھی فنکاری کے وہ گوہر تراشے ہیں کہ جنہیں پڑھ کر قاری اش اش کر اٹھتا ہے۔ انہی اصناف میں ایک غزل گوئی بھی ہے اور یہ صنف اردو شاعری میں بہت مقبول بھی ہے اور اصناف سخن کی ابرو بھی کہا جاتا ہے۔ موصوف نے غزل گوئی میں غزل کے تمام تقاضوں اور معیارات کو نہایت عمدگی سے پورا کیا ہے۔ غزلوں اور نظموں پر شاہد نقوی کا ایک ہی شعری مجموعہ ہے۔ غزلوں اور نظموں پر مبنی مجموعہ

"ضمیر مصلوب بنیادی طور پر غزلیات اور نظمیات پر مشتمل مجموعہ ہے۔ اس مجموعے کے پہلے حصے میں غزلیات مندرج ہے جبکہ دوسرا حصہ نظمیات پر مشتمل ہے"۔[1]

لفظ غزل عربی زبان سے ماخوذ ہے مگر بصورت صنف سخن یہ صنف خالیصتا ایرانیوں کی ایجاد ہے۔ غزل کے لغوی معنی ہیں۔

"عورتوں یا عورتوں سے متعلق گفتگو کرنا، ہرن کے منہ سے بوقت خوف جو دردناک چیخ نکلتی ہے اسے بھی غزل کہتے ہیں"۔[2]

شمیم احمد نے غزل کی تعریف کرتے ہوئے یوں لکھا ہے کہ:

"غزل اردو کی مقبول ترین صنف سخن ہے۔ اس کی صنفی شناخت کا دار و مدار اس کی مخصوص ہیئت پر ہے۔ اس صنف میں موضوع کو اہمیت حاصل نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ ایک عرصے تک غزل حسن و عشق کی کیفیات اور جذبات کے اظہار کے لیے ایک موثر ترین ذریعہ سمجھی جاتی تھی۔ لیکن یہ کسی موضوع میں بندھ کر کبھی نہیں رہی۔ ہر طرح کے خیالات کے اظہار میں اس نے اپنی قوت کو منوایا۔"[3]

علاوہ ازیں ابو الاعجاز حفیظ صدیقی غزل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"ہرن کی وہ ضعیف و دردناک، پرسوز اور رحم انگیز آواز جو شکاری کتوں میں گھر جانے کے وقت اس کے حلق سے نکلتی ہے"[4]

چنانچہ ان دونوں تعریفات کے تناظر میں غزل کی موضوعی کیفیت یوں سامنے آتی ہے۔ حسن و عشق کی کیفیات اول الذکر لغوی معنی سے اخذ کیے جائیں جو غزل کی موضوعی نوعیت کا پتہ دیتے ہیں۔ موخر الذکر معنی سے غزل کی صوت اور لہجے کا تعین کیا سکتا ہے۔

ڈاکٹر خواجہ اکرام اردو کی شعری اصناف میں غزل کے حوالے سے یوں لکھتے ہیں کہ:

"بنیادی طور پر غزل کا آغاز عشقیہ اشعار سے ہوتا ہے جو قصیدے کے تشبیب میں کہے جاتے تھے۔ در اصل ایرانیوں نے غزل کی صنف کو قصیدے کے تشبیب سے اخذ کیا ہے اور نئی روایت سے سخن کی بنیاد ڈالی۔ جوں جوں زمانہ آگے کو بڑھا، غزل نے بھی ترقی کی اور اپنے اندر اور بے تحاشا موضوعات کو سمونے کی صلاحیت پیدا

کیں ۔غرض غزل نے عشقیہ موضوعات کے ساتھ ساتھ ،فکرو فلسفہ ،مذہبی ،ادبی اخلاق ،عرفان وتصوف ،سیاست و معاشیات اور نفسیات وغیرہ کو بھی اپنی موضوعات کا حصہ بنایا ہے"۔[۵]

اصناف ادب اردو میں رفیع الدین ہاشمی غزل کے ارتقا کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں کہتے ہیں کہ:

" اردو غزل فارسی غزل کے مرہون منت ہے اور ولی دکنی کو اردو غزل گوئی میں باوا آدم کہا جاتا ہے۔غزل کے ارتقاء میں میر، سودا، درد، انشاء، مصحفی، آتش، غالب، ذوق، مومن، ظفر، داغ، حالی وغیرہ کا قابلِ ذکر حصہ ہے انشا، جرات رنگین اور ناسخ لکھنوی دبستانِ غزل کے نمائندے ہیں جن کے ہاں حسن و عشق کا خارجی اور جسمانی پہلو غالب ہے اسی لیے ان کے ہاں مبتذل، فحش اور بازاری انداز کے شعر بھی ملتے ہیں اور مشکل پسندی و ظاہری آرائش کا غلبہ ہے اس کے برعکس میر، درد، ظفر، شیفتہ اور حالی وغیرہ دبستان دہلی کے نمایاں غزل گو ہیں۔ان کے ہاں داخلی واردات و قلبی احساسات کو دھیمے اور پرُسوز لہجے میں بیان کیا گیا ہے۔"[۶]

آج کا دور اقدار کی شکست وریخت کا دور ہے۔قدیم وجدید کے مجادلے نے زندگی کی واضح شکل کو مسخ کر دیا ہے۔ادبی اقدار بھی اسی شکست وریخت کا شکار ہیں اور اب ادب وشاعری میں بھی زندگی کی اخلاقی وتہذیبی اور انسانی قدروں کی پامالی کے بیان کو اہمیت دی جاتی ہے اور اسی احتمال کو شعر کا حسن سمجھا جاتا ہے اور اس کی تاویلات کا ایک دفتر تنقید کی ہر کتاب میں دیکھا جا سکتا ہے۔اسی پرُآشوب دور میں ایسے شاعر بھی ہیں جنھوں نے ادبی اقدار کی پاسداری کی ہے اور ادب وشاعری کے خدوخال مسخ ہونے سے بچا لیے ہیں۔اُنھیں شاعروں میں شاہد نقوی بھی ہیں۔ اس ضمن میں اظہار الحسن لکھتے ہیں کہ:

" شاہد نقوی نے ۱۹۲۸ء میں باقاعدگی سے غزلیں کہنا شروع کیں۔ابتدا میں مولانا ناصر علی مرحوم تاسُف خورجوی سے اصلاح لیتے رہے۔ان کے انتقال کے بعد غزل میں استاد قمر جلالوی اور قصیدے میں محشر لکھنوی سے اصلاح لیتے رہے اور آپ ایک طویل عرصے تک غزل گو اور نظم گو شاعر کی حیثیت سے اپنی فکری اور شعری صلاحیتوں کا لوہا منواتے رہے تقسیمِ ہند سے پہلے لاتعداد مشاعروں میں غزلیں اور نظمیں پڑھیں اور اُس دور کے مشہور شعرائے کرام مثلاً جوش، زیبا رودلوی، جگر مراد آبادی اور سید آل رضا جیسے بلند پایہ شعراء سے اپنی شعری وفنی صلاحیتوں کی داد لی"۔[۷]

شاہد نقوی بنیادی طور پر نظم اور غزل کے شاعر ہیں آپ نے دیگر شعراء کی طرح شاعری کا آغاز غزل گوئی سے کیا ۔اردو رثائی ادب کی طرح غزل گوئی کے میدان میں آپ نے ایک بہت بڑا نام کمایا ہے۔شاہد نقوی غزل گوئی میں اپنا ایک خاص اور منفرد مقام رکھتے تھے۔غزلوں اور نظموں پر مشتمل ان کا مجموعہ کلام ضمیرِ مصلوب کے نام سے موسوم ہے۔[۸]

ISSN-Online: 2790-8828
ISSN-Print: 2790-881X

انھوں نے بنیادی طور پر ہر صنف سخن میں اپنی تخلیقی جوہر دکھائی ہیں۔ رثائی ادب یعنی مرثیہ گوئی میں آپ اس مقام پر فائز ہیں کہ لوگوں نے ان کو "کلیمِ آلِ عبا" کا خطاب دیا ہے۔ سلام، رباعی، قطعہ، غزل غرض ادب کی کوئی صنف ایسی نہیں جس میں اُنھیں قادرالکلامی حاصل نہ ہو۔ رثائی ادب میں ملنے والے القاب کے حوالے سے پروفیسر اشعر حسین لکھتے ہیں کہ:

"شاہد نقوی کو ایک مجلس میں نو تصنیف مرثیہ پیش کرنے کے بعد علامہ طالب جوہری مدظلہ العالی نے بڑے مجمع میں کلیم آل عبا کا خطاب عطا فرمایا اور بلاشبہ وہ اسی خطاب کے مستحق تھے۔"[۹]

غزل ہر دور میں پوری زندگی اور معاشرے کی ترجمانی کرتی ہے میر و مرزا، غالب و ذوق، داغ و امیر اور فانی و حسرت کی غزل اپنے عہد کے تجربات سے اس قدر ہم آہنگ ہے کہ اس میں زندگی کے خدوخال صاف دیکھے جاسکتے ہیں۔ میر و مرزا کا عہد سیاسی ناہمواری، معاشی ناآسودگی اور طوائف الملوکی کا دور تھا۔ میر نے ان حالات کا تاثر یاس انگیزی اور مرجاں نصیبی سے قبول کیا۔ میر و سودا نے اس اثر کو زہر خند سے ہلکا کرنے کی کوشش کی۔ ذوق اور غالب نے زوال آمادہ تہذیب کی ترجمانی کی۔ داغ اور امیر کا مصنوعی معاشرہ تھا۔ ان کی شاعری میں اس کے اثرات صاف نظر آتے ہیں۔ فانی اور حسرت کی شاعری میں سیاسی گھٹن اور آزادی کی تڑپ کا جذبہ کارفرما ہے۔

لب بستہ ہین دربان، زباں بستہ سلاسل
اب کون بتائے کہ ہے قیدی کی خطا کیا
ٹوٹے ہی چلے جاتے ہیں جذبات کے رشتے
اس دور میں بن جائے گا ہر شخص خدا کیا"[۱۰]

ان اشعار میں تجربے اور مشاہدے کے علاوہ انسانی نفسیات کا گہرا شعور اور مطالعہ بھی ملتا ہے، زندگی کے نامساعد حالات کی آگاہی بھی پائی جاتی ہے۔ ان کی شاعری عزم و استقلال کا مرقع ہے۔ عمل اور ردعمل کے گہرے آثرات بھی ہیں اور اپنی روایات کی پاسداری کا ولولہ بھی، ان اشعار میں جذبات کی مختلف شکلیں بھی ہیں اور ہر شکل میں کسی تجربے کی آئینہ داری سلیقے سے کی گئی ہے اور اس طرح شعر کا حسن مجروح نہیں ہونے دیا۔ شاہد نقوی کی غزلیہ شاعری میں روایت کی پاسداری کے ساتھ ساتھ جدید غزل کا حُسن بھرپور طریقے سے جھلکتا ہے۔

شاہد نقوی کی غزلوں میں غم جاناں اور غم دوراں کا حسیں اور دل کش امتزاج ملتا ہے دراصل ان کی شاعرانہ فن پر اس کی زندگی کے اثرات نمایاں کردار ادا کرتے ہیں اس وجہ سے اپنی زندگی کے غموں اور مسرتوں کو اپنی ذات سے الگ نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ خود شاہد نقوی کے یہاں بھی زندگی اور اس کے غموں اور دُکھوں کا بیان بطورِ خاص موضوع کے شدت سے نظر آتا ہے۔ انھوں نے زندگی اور غم کو بطور خاصا اپنی غزل کا موضوع بنایا ہے۔ آپ نے زندگی میں جو دکھ درد سہے ہیں ان کا تذکرہ بار بار کیا ہے اس وجہ سے ان کی غزل میں جگہ جگہ حُزن و ملال کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ شاہد نقوی کے ہاں زندگی کی حقیقتوں کا ادراک انہی انتہائی حقیقت پسندی کے ساتھ موجود ہیں۔

"زندگی مرگِ مسلسل کے سوا کچھ بھی نہیں
وہی جی سکتا ہے مرنا جسے دشوار نہ ہو""

غم سوز و گداز اردو غزل کا محبوب موضوع ہے یہی سراپا غم ہمیں اردو شاعری میں سب سے زیادہ خدائے سخن، سر تاج شعرائے اردو میر تقی میر کے حوالے کے ہاں نظر آتے ہیں۔ان کے حوالے سے رام بابو سکسینہ یوں رقم طراز ہیں کہ:

"بے شک میر کی دنیا میں غم کی حکمرانی ہے۔لیکن یہ غم نہ تو روایتی ہے اور نہ تخیل کی پیداوار بلکہ داخلی اور خارجی زندگی کا حقیقی عطیہ ہے۔اس غم میں استقامت، حوصلہ مندی، غیرت و حمیت بلندی اور وقار ہے۔وہ غم میں ڈوب کر ابھرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"[۱۲]

شاہد نقوی کے نزدیک زندگی "مرگِ مسلسل" ہے اور اس کے ساتھ وہی نباہ کر سکتا ہے جو ہر لمحے جینے مرنے کا عادی ہو جائے۔آپ زندگی کے اس لمحے کو غنیمت سمجھتے ہیں جو "پیامِ غم" نہیں لاتا۔

"بجا ہے کاوش اخفائے غم اے ہم نشین لیکن
دھڑکتے دل سے کیا اندازہ ماتم نہیں ہوتا
بتائیں کیا بسر ہوتی ہے کیونکر زندگی شاہد
غنیمت ہے وہ لمحہ جو پیامِ غم نہیں ہوتا "[۱۳]

یہ فطرت انسانی ہے کہ اسے جب بھی کوئی غم ملتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ دوسروں کی نسبت صرف اس کی ذات کو زیادہ مشکلات کا سامنا ہے۔شاید نقوی کے ہاں خیال کی جدت کے ساتھ ساتھ لفظوں کا تنوع بھی پایا جاتا ہے۔

"لاشیں رواں دواں ہیں کراہوں کے دیس میں
یہ شہر کھیلتا تھا کبھی زندگی کے ساتھ
تیزی کا دھوپ کی نہیں شکوہ گلہ یہ ہے
یکساں نہیں ہے اس کی روش ہر کسی کے ساتھ"[۱۴]

جس خوب صورتی سے شاہد نقوی نے غم کے موضوع کو پیش کیا ہے اسی غم کے موضوع پر سراج الاسلام نے اپنی کتاب میں غالب کے حوالے سے یوں کہا ہے کہ:

"غالب بھی حالات اور ماحول کے لحاظ سے قنوطی دور کی پیداوار ہیں لیکن ذہنی اعتبار سے رجائیت پسند تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں میر کا ساسوز نہیں لیکن گداز ہے وہ غم کا شکار ضرور ہیں مگر اس درد و غم پر ہنس لینے کا جذبہ بھی ہے وہ غم سے مغلوب ہونا پسند نہیں کرتے۔ ان کی شوخی اور آزاد طبیعت غم کو ہنسی ہنسی میں اڑا دیتی ہے ۔وہ زندگی کے رعنائیوں سے بھرپور انداز میں لطف اندوز ہونا چاہتے ہیں۔"[۱۵]

شاہد نقوی کی غزل کے مطالعے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ طبعاً کلاسیکی شاعری کو پسند کرتے ہیں اور شاعرانہ فنی اسلوب میں آپ انھیں اساتذہ کی تقلید کرتے ہیں جو تاریخ ادب میں معتبر سمجھے جاتے ہیں۔ انھوں نے جس زمانے میں ادبی سرگرمیوں سے خود کو وابستہ کیا وہ نامور اساتذۂ فن سے خالی نہیں تھا لیکن غزل میں جگر مراد آبادی اور نظم میں جوش ملیح آبادی کو جو شہرت اور مقبولیت ملی وہ ان کے معاصرین اور بعد میں آنے والوں کو اپنے اسالیب اور موضوعات کی جانب کھینچتی رہی اور شاہد نقوی کی شاعری میں بھی قدیم اساتذہ کے علاوہ ان دو اہم شعرا سے متاثر ہونے کا رجحان ملتا ہے اسی کا ایک تاریخی اور فطری سبب یہ بھی ہے کہ شاہد نقوی، جگر مراد آبادی اور جوش ملیح آبادی سے ذاتی طور پر متعارف بھی تھے۔ ان کے ساتھ مشاعروں میں شریک ہوتے اور ان کی محفلوں کا ایک حصہ ہوتے تھے بعد میں شاہد نقوی نے مشاعروں میں شرکت کرنا ترک کیا اور خالص رثائی ادب میں زندگی کے ایام صرف کرنا شروع کی۔ شاہد نقوی نے اپنی زندگی کی تکالیف، الجھنوں اور پریشانی سے تنگ آکر رب سے گلہ شکوہ یوں کرتے نظر آتے ہیں۔

"قدم قدم پہ تحکم ،نفس نفس پہ حساب
یہ کیا مقام ہے یا رب یہ کیسا عالم ہے
نہ دیا زندگی کا حق نہ سہی
موت کیوں ہم سے چھین لی یا رب"[۱۶]

ان کا یہ بھی خیال ہے کہ اگر زندگی میں کبھی ایسا طوفاں آجائے کہ بچاؤ کے راستے بند ہو جائیں تو بڑھ کر اس طوفاں کا مقابلہ کرنا چاہیے کیونکہ موت تو ہر حالت میں آئے گی۔

"کیوں نہ بڑھ کے ٹکرلیں موج موج طوفاں سے
یوں بھی بچ نہیں سکتے یوں بھی ڈوب جانا ہے
طوفاں کی موج موج سے ٹکراؤ ساتھیوں
اس بحر بیکراں میں تمھیں ڈوبنا تو ہے"[۱۷]

ضمیرِ مصلوب میں ان کی غزلوں، رباعیات، قطعات اور بعض شخصی نظموں کا انتخاب شامل ہے۔ یہ مجموعہ ان کے مجموعی شاعرانہ مزاج اور اسلوب کی تفہیم میں بڑی مدد دیتا ہے اور اس کا پہلا تاثر یہ قائم ہوتا ہے کہ ہر چند اس میں استعارے، تشبیہیں، محاکات و علامات ہماری روایتی شاعری سے ماخوذ ہی لیکن شاہد نقوی نے انھیں اپنے عہد کی تقاضوں کے مطابق اختیار اور استعمال کیا ہے نیز یہ کہ ان کی غزل کا مزاج غور و فکر کے خمیر سے اٹھا ہے۔ زندگی کے مسائل جو مذہب، اخلاق، سیاست، سماجی تعلقات اور ارضی و سماجی تغیرات کی دسترس میں ہوتے ہیں ہر حساس ذہن کو متاثر کرتے ہیں۔ شاہد نقوی بھی ان سے متاثر ہوئے اور ان کے اظہار کے لیے شاعری کو ذریعہ بنایا۔ شاہد نقوی نے حق گوئی اور حق پرستی کو اپنا شعار بنایا ہے اور وہ کسی طرح بھی ظاہر و باطن کے تضاد کو ظاہر کرنے سے نہیں چُوکتے خواہ وہ مادی دنیا کا خلاصہ ہوں یا غیر مادی دنیا کا۔

"واقف نہیں ہو تم مرے جذبِ نگاہ سے
منزل تراش سکتا ہوں میں گردِ راہ سے
ہم سادہ دل اسیروں کی خوش دہمیاں تو دیکھ
زنداں کے قفل توڑتے ہیں ضرب آہ سے
منزل نے کیا دیا ہم ہمیں جز کرب مستقل
اچھے وہی رہے جو پلٹ آئے آہ سے"[۱۸]

بلاشبہ غزل کا پسندیدہ موضوع عشق ہے اور عشق اس احساس کا نام ہے جو مختلف روپ میں انسانی سماج میں موجود افراد کے ذہن و دل پر منقش ہیں۔ احساس وہی ہے مگر روپ الگ الگ اور یہی موضوع غزل کی مقبولیت کی وجہ بھی ہے۔ چنانچہ عشقیہ موضوعات سے کوئی بھی غزل خالی نہیں ہے۔ شاہد نقوی کے ہاں بھی یہ جذبہ جابہ جا نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر سنبل نگار نے عشق کو غزل کی مقبولیت کی وجہ قرار دے کر لکھا ہے کہ:

"غزل کی مقبولیت کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ اس کا خاص موضوع عشق رہا ہے اور عشق وہ جذبہ ہے جس سے کوئی دل خالی نہیں ہے یوں کہ عشق کے ہزار روپ ہیں۔ مرد کا عورت یا عورت کا مرد سے عشق، ماں، باپ کا اولاد سے یا اولاد کا ماں باپ سے عشق، قوم و ملک پر جان نچھاور کرنے کا نام بھی عشق ہے۔ کسی مرشد سے مرید کی عقیدت بھی عشق ہے اور سب سے ارفع و اعلیٰ عشق وہ ہے جو انسان کو محبوب حقیقی یعنی خدا سے ہوتا ہے۔" [۱۹]

حسن و عشق ابتدا سے ہی اردو غزل کا ایک اہم ممتاز اور ناگزیر موضوع رہا ہے۔ جس پر ہر شاعر نے حقیقی یا مجازی دونوں زاویوں سے روشنی ڈالی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہد نقوی بھی اس موضوع سے پیچھا نہیں چھڑا سکے۔ زندگی کے بعد اسی موضوع پر آپ نے سب سے زیادہ شعر کہے ہیں۔ اگرچہ اس موضوع سے متعلق شاہد نقوی کو قدیم اردو کی شعری روایت کے کلاسیکی ورثے سے بھی بے شمار مضامین فراہم ہوئے ہیں لیکن انھوں نے صرف ان پر اکتفا کرنا ہی گوارا نہ کیا بلکہ اپنے رنگ سے نئے نئے مضامین پیدا کر کے اپنی انفرادیت اور جدت طرازی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے روایتی مضامین پر قلم اٹھایا ہے۔ ان میں بھی اپنی افتادِ طبع سے بڑی حد تک انفرادیت کا رنگ بھر دیا ہے۔

ISSN-Online: 2790-8828
ISSN-Print: 2790-881X

شاہد نقوی کے یہاں حسن بیک وقت داخلی وصف بھی ہے اور خارجی صداقت بھی، ایک تو ان کا محبوب بے حد جاذب نظر ہے اور پھر ان کا اندازِ بیاں اسے زیادہ حسین بنا دیتا ہے۔

"وہ سامنے بیٹھے ہیں نگا ہیں نہ اٹھانا
جلووں کو کہیں ٹھیس نہ لگ جائے نظر سے
ممکن ہو تو جلووں سے ہر اک راہ سجا دو
دیوانے گزر جائیں خدا جانے کدھر سے"[۲۰]

آپ محبوب کے حسن کو فطرت کے حسن کے ساتھ نہایت خوبصورتی سے ملا دینے کا فن بخوبی جانتے ہیں۔ ان کا محبوب اس قدر حسین و جمیل ہے کہ انھیں اس کی ہر ادا میں حسن دکھائی دیتا ہے۔ شاہد نقوی کی غزل کا ایک اہم موضوع ''محبت'' اور اس سے پیدا شدہ دیگر معاملات کا بیان ہے۔ یعنی حیات و کائنات کا باریکی سے مشاہدہ اور اسے خوب صورت الفاظ کا پیراہن پہنانا غزل ہی کے حصے میں آئی ہے۔ فراق گورکھ پوری نے غزل پر اسی ذیل میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"غزل انتہاؤں کا ایک سلسلہ ہے یعنی حیات و کائنات کے وہ مرکزی حقائق جو انسانی زندگی کو زیادہ سے زیادہ متاثر کرتے ہیں۔ تاثرات کی انہی انتہاؤں یا منتہاؤں کا مترنم خیالات قوی محسوسات بن جانا اور مناسب ترین یا موزوں ترین الفاظ و انداز و بیان میں ان کا صورت پکڑ لینا اس کا نام غزل ہے۔"[۲۱]

اردو کے بیشتر شعراء کی طرح انھوں نے بھی مجازی عشق کو باکمال طور سے پیش کیا ہے ان کا تصور محبت ارضی ہے اس لیے محبت اور اس کے متعلقات پر انھوں نے بے شمار شعر کہے لیکن اس میں ماورائی محبت کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ان کے نزدیک عاشقی کوئی آسان کام نہیں ہے۔ عاشقی غزل کے موضوعات کا لازمی جزو ہے۔ انھوں نے عاشقی کے حوالے سے جو گفتگو یا عشق کی کیفیات بیان کیے ہیں ان میں کلاسکیت کا رنگ نمایاں ہیں۔ اسی نوعیت کے اشعار ملاحظہ کریں:

"شغل آرائش گیسو سے ملی بھی فرصت
ہاں مرے غم کو ضرور آپ نے محسوس کیا
ر ائیگاں کون کہے گا مری بربادی کو
کیا یہ کم ہے کہ سرور آپ نے محسوس کیا"[۲۲]

شاہد نقوی کا یہ بھی خیال ہے کہ جب کسی سے عشق ہو جائے تو اس کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی ہے۔

"راہ سے ذرا ہٹ کر سر جھکائے بیٹھا ہوں
بال و پر ہیں ناکارہ دور آشیانہ ہو
کیوں نہ آج چپکے سے دل کی بات کہہ ڈالیں
وہ بھی خوش ہیں اے شاہد وقت بھی سہانا ہے
حسن عکس جلوے کا ،عشق روح جلوے کی
آپ کی تو حد بھی ہے ،میرا کیا ٹھکانا ہے"[۲۳]

انھوں نے اپنی غزلوں میں حُسن و عشق اور زندگی کے دُکھوں اور پریشانیوں کو موضوع بنایا ہے۔شاعر عموماً اپنی شاعری میں عاشق کو قصوروار ٹھہراتے ہیں اور تمام غلطیوں میں قصووار ہمیں صرف عاشق ہی نظر آتے ہیں۔شاعر کو اگر اپنے محبوب سے بات کرنے کا موقع نہ ملے تو خود ہی اپنے دل سے محبوب کے ظلم وجور کی شکایت شروع کرتا ہے اور اپنے دل سے محبوب کی جفاوں کا گلہ کرتے ہوئے بھی اس میں ایک خوف رہتا ہے کہ کہیں یہ دل بھی ان کی حمایت نہ کر بیٹھے،یعنی ہمیشہ شک میں پڑا رہتا ہے۔

"آؤ دل ہی سے کریں اُن کی جفاوں کا گلہ
دل مگر ان کا طرف دار بھی ہو سکتا ہے
رازِ غم قصہ بازار بھی ہوسکتا ہے
دل تڑپ کر لبِ اظہار بھی ہوسکتا ہے
لے کے آیا ہے جو اعلان سرِ دار مجھے
وہی اعلان سرِ دار بھی ہوسکتا ہے"[۲۴]

حد سے زیادہ عشق کرنے کے باوجود بھی محبوب کی طرف سے ہمیشہ دُکھ اور پریشانی کے سوا کچھ نہیں ملتا ہے پھر بھی عاشق ناامید نظر نہیں آتا بلکہ مزید اپنے محبوب کو سمجھانے کی طرف کوشش کرتا ہے۔محبوب کی طرف سے ہر وقت عاشق کو کسی نہ کسی غم میں مبتلا رکھنے کی عادت آخر کار عاشق اپنے محبوب کی بے مروتی سے تعبیر کرتا ہے لیکن جب یہی کیفیت کبھی محبوب پر آتی ہے تو وہ برداشت نہیں کرپاتا۔عاشق اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ میں خود اس بات سے لاعلم ہوں کہ تمہاری بے مروتی کے باوجود بھی میں نے صبر کا دامن ہاتھ سے چُھوٹنے نہیں دیا۔اگر اس بے مروتی کی داستان آج میں خود کو سنانا چاہوں تب بھی میں نہیں سُنا سکوں گا۔

"وہی جو ہنستے تھے کل تک ہمارے رونے پر
خود آئے زد پہ تو دو اشک بھی بہا نہ سکے

ISSN-Online: 2790-8828
ISSN-Print: 2790-881X

نہ جانے کیسے زمانے کے لب تک آپہنچی
وہ داستان جو خود کو بھی ہم سُنا نہ سکے"[۲۵]

انھوں نے حسن و عشق کے موضوع کو اپنی غزل میں مختلف انداز سے بیان کرتے ہوئے نئے رنگوں میں سمونے کی کوشش کی ہے۔ شاہد نقوی نے ارضی تصوّر پیش کیا ہے اس میں جنس کا پہلو بھی نمایاں ہے مگر وہ مومن اور جرات کی طرح جنسی محبت بھی ابتذال کے قائل نہیں، لیکن ان کے ہاں محبت کا معیار عامیانہ اور پست نہیں بلکہ وہ اخلاق و تہذیب کی مروجہ قدروں کو ہمیشہ سامنے رکھتے ہیں۔

انھوں نے اپنی غزلوں میں صرف حسن و عشق کو موضوع نہیں بنایا بلکہ اُن کی شاعری میں ہمیں زندگی کے غموں کا ذکر بھی ملتاہیں۔ ان کی شاعری میں غمِ جاناں اور غمِ دوراں دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ شاہد نقوی میں وہ تمام صفات موجود ہیں جو کسی شاعر کو بڑا شاعر بناتی ہیں۔ ان کی غزلوں میں بڑا، تیکھا پن پایا جاتا ہے۔ انھیں قدیم غزل گو شعرا سے فن ورثے میں ملا ہے اور جدید دور میں جو غزل کی قدریں مستحکم ہوئیں اس کا خوش گوار اثر بھی ان کی شاعری میں نظر آتا ہے۔ ایک زمانے میں وہ ترقی پسند تحریک کے زبردست کارکن تھے اس لیے ان کے کلام میں آزادی، وطن سے محبت اور ظلم و جبر کی چکی میں پِسے ہوئے انسانوں سے محبت مکمل طور پر ملتی ہے۔ ان کی غزلوں میں اگرچہ روایتی انداز کے اشعار نظر آتے ہیں تاہم ہمیں ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جن میں زندگی کی تڑپ اور روحِ عصر کی آواز سنائی دیتی ہے اور وہ اپنی غزلوں میں ماضی، حال اور مستقبل کی سحر کے نقیب ہیں اور خواہش رکھتے ہیں کہ برصغیر کی زندگی کی شام ایک منوّر سحر سے تبدیل ہو جائے زخم کھا کر ہنسنا اور دل کی چوٹ پر مسکرانا شاہد نقوی کی شاعری کا خاصہ ہے اسی لیے ہم انھیں رجائیت پسند شاعر کہہ سکتے ہیں۔ شاہد نقوی لکھنؤ کی خارجی شاعری سے کوسوں دور دکھائی دیتے ہیں اور وہ داخلیت کے پرستار اور دل سے اٹھنے والی آوازوں کے نقیب نظر آتے ہیں۔

"اصنام پرستو مجھے سُولی پہ چڑھا دو
اللہ کے بندوں سے مجھے پیار بہت ہے
تم تو کہتے تھے کہ زنداں میں نہیں کوئی اسیر
پھر یہ زنجیر کی جھنکار کہاں سے آئی"[۲۶]

ان کی زندگی کا بڑا حصہ لکھنؤ کے نواح میں گزرا لیکن ان کی کلام گوئی میں لکھنویت جذب نہ ہو سکی بلکہ وہ ہمیشہ نرم گوئی کی ترجمانی کرتے رہے۔ اس کی وجہ سے ان کی غزلوں کا معیار بھی بہت بلند ہو گیا ہے۔ اردو غزل دراصل ہماری تہذیب و ثقافت اور رہن سہن کے انداز و اطوار کو پیش کرنے کا بہترین وسیلہ ہے۔ غزل کے مزاج کو سمجھنے کے لیے ہمیں برصغیر پاک و ہند کے ہزاروں سالہ تہذیبی و ثقافتی روایت کو سمجھنا ہو گا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر محمد صادق نے خوب صورت جملہ لکھا ہے کہتے ہیں کہ:

"اردو غزل ہماری تہذیب و تمدن میں اس طرح سما گئی ہے جس طرح سمندر میں تمام ندیوں کا پانی۔"[۲۷]

Vol.4, No.3, Sep-2024
Page no: 50-63

شاہد نقوی کے ہاں بھی روایتی موضوعات کے ساتھ ساتھ سماجی موضوعات پر اشعار ملتے ہیں۔ان کی غزلوں میں اپنے عہد کی سیاسی، سماجی، معاشی اور مذہبی زندگی میں پیدا ہونے والے تغیرات کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ ان کی غزل میں "عصرِ حاضر کے مسائل" کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ان کی غزل میں ایسے معاملات پر بے شمار اشعار دِکھائی دیتے ہیں۔ان کی غزلوں میں ہمیں اکثر جگہوں پر خالص روایتی رنگ نظر آتا ہے۔انھوں نے روایتی موضوعات کو نئے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے اس وجہ سے سفر، صحرا، ساغر، دیوانے، طوفان وغیرہ کا ذکر ان کی شاعری میں جابجا ملتا ہے۔

"شعورِ ذات تک پہنچے نہ جانے آگہی کب تک
خلا میں ٹھوکریں کھاتا رہے گا آدمی کب تک
ویرانیِ خیال کا عالم نہ پوچھیے
صحرا بھی میرے ساتھ گیا میں جہاں گیا"[۲۸]

اکثر جگہوں پر شاہد نقوی خالص انفرادی رنگ میں نمایاں ہو کر سامنے آتے ہیں جس میں کہیں کہیں خالص فکری عناصر بھی موجود ہیں جو دوسرے شعرا کے یہاں نہیں ملتے ہیں۔ان کی غزلیں پڑھنے سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کی انھوں نے اپنی شاعری میں بہت ہی نرم اور دھیمہ لہجہ استعمال کیا ہے۔ ان کے اشعار میں کہیں پر بھی ہمیں جوش کا عنصر دکھائی نہیں دیتا ہے ان کی غزلیں پڑھنے سے آہستہ روی کا احساس ابھرتا ہے۔ان کے اسلوب کا ایک خاص وصف ڈرامائی طرز ہے جسے وہ دھیمے لفظوں اور مناسب بحروں سے زیادہ موثر بنا دیتے ہیں۔ انھیں لفظوں پر مکمل گرفت حاصل ہیں اس لیے وہ لفظوں کے سہارے ڈرامائی عناصر تخلیق کرتے ہیں۔ناصر کاظمی کی طرح شاہد نقوی نے بھی کہیں کہیں اپنی غزل میں ہجرت اور اس سے پیدا شدہ مسائل و معاملات کا ذکر کیا ہے۔وہ پاکستان آنے سے پہلے ہی بھارت میں مشہور ہو چکے تھے۔وہاں کے ادبی مشاعروں میں شرکت کر کے داد وصول کر چکے تھے اس لیے بھارت کے ادبی حلقوں میں شاہد نقوی کا خاص مقام و مرتبہ تھا لیکن ہجرت کر کے پاکستان آنے کے بعد شاہد کو وہ مقام و مرتبہ نہیں ملا جو اُنھیں بھارت میں ملا تھا۔

"کتنی لاشیں تھیں کہ تھیں گورو کفن سے محروم
وقتِ تقسیمِ قبور آپ نے محسوس کیا"[۲۹]

ان کو فطرت سے گہرا لگاؤ تھا اور وہ اُن لوگوں پر حیران تھے جو فطرت کو بدلنا چاہتے تھے۔ آج کل کا شاعر محبت اور زندگی کی ناکامیوں سے مایوس ہو کر آنسو بہاتے ہیں۔ان کا محبوب بھی روایتی محبوب کی طرح سنگ دل، بے وفا اور لا پرواہ ہے جس کی وجہ سے محبوب کے سامنے جا کر اکثر انھیں اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رہتا۔رونے اور آنسو بہانے کا ذکر اکثر ہمارے قدیم شعرا کے ہاں ملتا ہے میر تقی میرؔ سے لے کر شاہد نقوی

ISSN-Online: 2790-8828
ISSN-Print: 2790-881X

تک تمام شعرانے اپنے اپنے انداز سے اس کیفیت کا ذکر کیا ہے اور عموماً اپنی ناکامیوں کا اظہار آنسوؤں کے ذریعے سے کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

"اس بندشِ لب کی دنیا میں کچھ اور تو ہم سے کیا ممکن
اشکوں میں شکست حسرت کی تصویر اُتارا کرتے ہیں
برا نہ مان میں طرز فغاں بدل لوں گا
وہ اشک بھی مری پلکوں پہ ہیں جو بہہ نہ سکے"[۳۰]

شاہد نقوی کی شاعری میں تصوف کے آثار بھی نظر آتے ہیں اور تصوف کے ذریعے ہی مذہبی اقدار کو فروغ دینے کی کوشش بھی کرتے ہیں جس سے انکار کرنا ناممکن ہے۔ اردو شاعری میں تصوف کو جو اہمیت حاصل ہے اس سے انکار ممکن نہیں۔ خواجہ میر درد اور دیگر بے شمار شعرا کی طرح شاہد نقوی نے بھی اپنی شاعری کو تصوف سے مرصع کیا ہے۔ ہر شاعر اپنے عہد کے حالات واقعات سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ اس کا اظہار وہ اپنی شاعری میں بھی کرتا ہے۔ غزل جدید تصورات و مسائل کو اپنے اندر سمونے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہد نقوی کی غزل میں ان کے عہد کی سیاسی، مذہبی، معاشی اور سماجی زندگی میں پیدا ہونے والے تغیرات کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ انھوں نے شاعری میں دوسروں کو طنز کا نشانہ بنایا ہے نہ صرف وہ دوسروں پر طنز کرتے ہیں بلکہ وہ اپنی ذات اور محبوب پر طنز کرتے ہیں۔ محبوب وعدہ کرنے کے باوجود ملنے نہیں آیا تو اس پر یوں طنز کرتے ہیں۔

"بندگی کی منزل ہے ترکِ ذات کی منزل
ذات کے اندھیروں میں بندگی نہیں ملتی
تم نہ آئے گر تو کیا رفتار عالم رُک گئی
رات کٹتی ہی رہی تارے چمکتے ہی رہے"[۳۱]

انھوں نے اپنی شاعری میں بہترین الفاظ کا چناؤ کیا ہے ان کے اسلوب کی اہم خوبی، نغمگی، ترنم، اور غنائیت ہے اور وہ موضوع کے مطابق الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔ اُسلوب میں ترنم پیدا کرنے کے لیے وہ کئی طریقوں سے کام لیتے ہیں کہیں تو تکرارِ لفظی سے خوش آہنگی پیدا کی ہے تو کہیں ہندی کے شیریں اور دھیمے لفظوں سے روانی اور موسیقیت کا جادو جگاتے ہیں۔ ایک جگہ پر وہ اپنی ذِلت پر طنز کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"خونِ دل کی رنگینی، قہقہوں میں ڈھلتی ہے
جیسے زخم ہنستے ہیں جیسے شمع جلتی ہے
یہی غیرتِ وفا ہے یہی ضبطِ غم ہے شاہدؔ

تجھے شرم بھی نہ آئی انھیں حالِ دل سناتے"[32]

غزل وہ صنف شاعری ہے جس میں دیگر شعری اصناف کی نسبت انسانی جذبات، مشایدات، تاثرات اوت تجربات کو زیادہ سے زیادہ شدت اور توانائی کے ساتھ ابھارا جاسکتا ہے۔ اس وجہ سے سوچ، تخیل جذبات اور تفکر کے درجے پر ابھرنے والے اضطراب و انتشار کرب ونشاط ، غم وغصہ، امید و پیہم کی حالتیں غزل کی بساط پر جس طرح ابھرتی ہیں وہ دوسری شاعری میں ممکن نہیں۔ غزل ہی بنیادی طور پر شخصیت کا اندورنی تصویر پیش کرنے کے باوجود بیرونی عوامل کی بھی بھرپور ترجمان ہے اور غزل آئینے میں کسی بھی دور کی چلتی پھرتی تصویریں باآسانی دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہی حال ہمیں شاہد نقوی کی غزل گوئی کا بھی ہے ان کی غزل میں بھی جہاں تجربے، مشاہدے اور انسانی نفسیات کا گہرا شعور ملتا ہے۔ وہاں انسانی زندگی کے نامساعد حالات کی آگاہی بھی پائی جاتی ہے، عزم وحوصلے کی خار اشگافی بھی نظر آتی ہے۔ علاوہ ازیں ان کی شاعری میں روایت کی پاسداری کے ساتھ ساتھ جدید غزل کی حسیت بھرپور طریقے سے بھی ملتی ہے۔

حواشی:

١ نقوی، شاہد، ضمیر مصلوب (پاکستان: انٹر نیشنل حسینی آرگنائزیشن، ١٩٩٧)، ص ۵۔

٢ ہاشمی، رفیع الدین، اصنافِ ادب (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ١٩٩١)، ص ٣١۔

٣ احمد، شمیم، اصناف سخن اور شعری ہئیتیں (بھوپال: انڈیا بک امپوریم، 1981)، ص ۵٩۔

۴ صدیقی، ابوالاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1985)، ص ١٢٩۔

۵ اکرام، خواجہ، ڈاکٹر، اردو کی شعری اصناف (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ، 1999)، ص ١٣۔

٦ ہاشمی، رفیع الدین، اصنافِ ادب (لاہور: نسنگ میل پبلی کیشنز، ١٩٩١)، ص ٣٢۔

٧ نقوی، شاہد، نفس مطمئن (لاہور: اظہار الحسن سنز، ١٩٩٢)، ص ٧۔

٨ نقوی، شاہد، ضمیر مصلوب (پاکستان: انٹر نیشنل حسینی آرگنائزیشن، ١٩٩٧)، ص ۵۔

٩ نقوی، شاہد، حصارِ حرم (کراچی: القائم پرنٹر پریس ناظم آباد، ٢٠٠٠)، ص ٧۔

١٠ نقوی، شاہد، ضمیر مصلوب (پاکستان: انٹر نیشنل حسینی آرگنائزیشن، ١٩٩٧)، ص ٨٠۔

١١ نقوی، شاہد، ضمیر مصلوب (پاکستان: انٹر نیشنل حسینی آرگنائزیشن، ١٩٩٧)، ص ۵١۔

١٢ سکسینہ، رام بابو، تاریخ ادب اردو (پاکستان: غضنفر اکیڈمی، ١٩٩۵)، ص ١۴٨۔

١٣ نقوی، شاہد، ضمیر مصلوب (پاکستان: انٹر نیشنل حسینی آرگنائزیشن، ١٩٩٧)، ص ١۴٨۔

١۴ نقوی، شاہد، ضمیر مصلوب (پاکستان: انٹر نیشنل حسینی آرگنائزیشن، ١٩٩٧)، ص ۴۴۔

١۵ الاسلام، سراج، تذکرے وتبصرے (کراچی: غضنفر اکیڈمی پاکستان)، ص ٢٧۔

١٦ نقوی، شاہد، ضمیر مصلوب (پاکستان: انٹر نیشنل حسینی آرگنائزیشن، ١٩٩٧)، ص ۵۴۔

ISSN-Online: 2790-8828
ISSN-Print: 2790-881X

[17] نقوی، شاہد، ضمیر مصلوب (پاکستان: انٹرنیشنل حسینی آرگنائزیشن، ۱۹۹۷)، ص۵۸۔

[18] نقوی، شاہد، ضمیر مصلوب (پاکستان: انٹرنیشنل حسینی آرگنائزیشن، ۱۹۹۷)، ص۴۹۔

[19] نگار، سنبل، اردو شاعری کا تنقیدی جائزہ (لاہور: مکتبہ یوسفیہ، ۲۰۱۹)، ص۱۱۔

[20] نقوی، شاہد، ضمیر مصلوب (پاکستان: انٹرنیشنل حسینی آرگنائزیشن، ۱۹۹۷)، ص۱۲۱۔

[21] گورکھپوری، فراق، اردو غزل گوئی (لکھنو: نصرت پبلیشرز، ۱۹۹۸)، ص۳۸۔

[22] نقوی، شاہد، ضمیر مصلوب (پاکستان: انٹرنیشنل حسینی آرگنائزیشن، ۱۹۹۷)، ص۴۹۔

[23] نقوی، شاہد، ضمیر مصلوب (پاکستان: انٹرنیشنل حسینی آرگنائزیشن، ۱۹۹۷)، ص۶۴۔

[24] نقوی، شاہد، ضمیر مصلوب (پاکستان: انٹرنیشنل حسینی آرگنائزیشن، ۱۹۹۷)، ص۴۴۔

[25] نقوی، شاہد، ضمیر مصلوب (پاکستان: انٹرنیشنل حسینی آرگنائزیشن، ۱۹۹۷)، ص۱۴۲۔

[26] نقوی، شاہد، ضمیر مصلوب (پاکستان: انٹرنیشنل حسینی آرگنائزیشن، ۱۹۹۷)، ص۴۷۔

[27] صادق، محمد، ڈاکٹر، ترقی پسند اردو غزل کا ارتقاء (دہلی: ایس ایچ پرنٹرس، ۲۰۱۲)، ص۲۴۔

[28] نقوی، شاہد، ضمیر مصلوب (پاکستان: انٹرنیشنل حسینی آرگنائزیشن، ۱۹۹۷)، ص۱۰۵۔

[29] نقوی، شاہد، ضمیر مصلوب (پاکستان: انٹرنیشنل حسینی آرگنائزیشن، ۱۹۹۷)، ص۴۳۔

[30] نقوی، شاہد، ضمیر مصلوب (پاکستان: انٹرنیشنل حسینی آرگنائزیشن، ۱۹۹۷)، ص۳۴۔

[31] نقوی، شاہد، ضمیر مصلوب (پاکستان: انٹرنیشنل حسینی آرگنائزیشن، ۱۹۹۷)، ص۴۱۔

[32] نقوی، شاہد، ضمیر مصلوب (پاکستان: انٹرنیشنل حسینی آرگنائزیشن، ۱۹۹۷)، ص۶۵۔